اسلام میں عبادت گاہوں کا تحفظ اور اس کے اطلاق کا علمی و تاریخی جائزہ

Scientific and Historical Evaluation of the Protection of Places of Worship in Islam and its Application

Dr Muhammad Riaz khan Al-Azhari
Associate Professor Islamic Theology Islamia College Peshawar
Email: drriaz@icp.edu.pk
Muhammad Usman
PhD Scholar Islamic Theology Islamia College Peshawar
Email: muhammadusman21041988@gmail.com
Muhammad Umar Khan
PhD Scholar Islamic Studies
Abdul Wali Khan University Mardan
Email: bangash9292@gmail.com

Abstract

It is possible for each person in a society to be followers of the equal religion, but according to the command of Allah Almighty, in most societies there are humans of various religions. Even although they live collectively because of variations of religion, their places of worship are extraordinary. And it's also acknowledged that a real follower of any faith loves his location of worship more than something else. On the alternative hand, each sane character and mind considers the safety and fee of worship as "non secular freedom" and "peace". While on the contrary, "religious narrow-mindedness" and "unrest". On this foundation, Islam has made arrangements to provide non-Muslim nations and citizens and minorities with such rights and privileges and protection of religious freedom, especially places of worship, as has never been seen before in history. Because the protection and creation of places of worship is a part of spiritual freedom, not an exception. Therefore, safety of places of worship has been furnished in all periods like Prophet hood, Sahaba, Umayyad, Banu Abbas and Ottoman Caliphate. And within the light of Islamic teachings, this technique continues to be occurring.

Key Words: Place of Worship, Protection, Religious Freedom, Spiritual Freedom

مقدمہ:

خالقِ کائنات نے انسان کو پیدا فرمایا، اور انسانوں ہی سے معاشرہ وجود میں آتا ہے، ممکن ہے کسی معاشرے میں تمام لوگ ایک ہی مذہب کے پیروکار ہوں تاہم اکثر معاشروں میں مختلف المذاہب لوگ ہی پائے جاتے ہیں کیونکہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے: "هُوَ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ فَمِنۡکُمۡ کَافِرٌ وَّ مِنۡکُمۡ مُّؤۡمِنٌ"[1] وہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر کوئی تم میں کافر اور کوئی مومن۔

چنانچہ اللہ کی مخلوق میں ایک ہی معاشرہ، ایک ہی علاقہ، ایک ہی خطہ اور ایک ہی دنیا میں مختلف مذاہب کے لوگ رہتے ہیں، اختلافِ مذہب کی بناء پر اکٹھا رہنے کے باوجود ان کی عبادت گاہیں بھی مختلف ہوتی ہیں، اور یہ بات مسلّم ہے کہ کسی بھی مذہب کا سچا پیروکار اپنے مکان، دکان، جائیداد اور اولاد حتٰی کہ اپنی جان سے بھی زیادہ محبت اپنی عبادت گاہ سے کرتا ہوتا ہے کیونکہ وہ اسے سامانِ سکون واطمینان تصور کرتا ہے، تو اسلام جہاں مسلمانوں کو باہمی محبت، بھائی چارے اور رواداری کی تعلیم دیتا ہے، وہاں مسلم اور غیر مسلم دونوں معاشروں میں مسلمانوں کو غیر مسلموں کے ساتھ بھی حُسنِ سلوک کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام نے مذہبی رواداری کے اصول کے کاربند رہتے ہوئے مسلمانوں کو مذاہبِ باطلہ اور مذہبِ حق کی عبادت گاہوں کی قدر اور تحفظ کرانے کے حکم میں کوئی فرق روا نہیں رکھا، کیونکہ اسلام امن و سلامتی اور محبت و مروّت کا دین ہے، اسلام خود بھی امن و سلامتی کا دین ہے اور دوسروں کو بھی امن وعافیت کے ساتھ رہنے کی تلقین کرتا ہے اور یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ اسلام اپنے معنی اور مفہوم کے اعتبار سے سراسر امن و سلامتی، خیر و عافیت، تحمل وبرداشت، محبت والفت، احسان شعاری اور احترامِ آدمیت کی تعلیم دیتا ہے۔

محسنِ انسانیت حضرت محمد ﷺ نے اسلام کو ایسے مذہب کے طور پر پیش کیا جس کے قوانین صرف مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ پوری انسانیت کے لیے یکساں طور پر ہیں، یقیناً اسلام تنگی پسند مذہب نہیں، اسلام نے غیر مسلم اقوام و رعایا اور اقلیتوں کو اتنے حقوق ومراعات اور مذہبی آزادی خصوصاً عبادت گاہوں کا تحفظ فراہم کرنے کا وہ اہتمام کیا، جس کی نظیر تاریخ میں اس سے پہلے نہیں ملتی۔

ہر سلیم الفطرت و عقل انسان عبادت گاہ کے تحفظ اور قدر و احترام کو مذہبی آزادی اور "امن" سمجھتا ہے، جبکہ اس کے برعکس مذہبی تنگ نظری اور "بدامنی"۔ مغربی دنیا کے اعداءِ اسلام اور امتِ مسلمہ کے وہ جوان جو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے شناسا نہیں وہ مغربی میڈیا سے متاثر ہو کر انتہاء پسندی اور بدامنی کو معاذاللہ دین ومذہب کے اثرات یا دینی اور مذہبی لوگوں کے رویوں کی طرف منسوب کر کے مسلمانوں کو مذاہبِ غیرہ کی عبادت گاہوں کو گرانے اور اُڑانے والا تصور کرتے ہیں۔

جہاں تک امن و سلامتی اور خصوصاً غیر مسلموں کے حقوق کی بات ہے اس پر تو آغازِ اسلام سے لے کر تاحال نہ صرف تحریری و تحقیقی کاوشیں ہوئی ہیں بلکہ مختلف ادوار میں عملی کام بھی ہوتا رہا ہے، غیر مسلموں کے حقوق کی ادائیگی اور تسلیت کا عہد اسلامی ریاست کی بنیاد پڑتے ہی میثاقِ مدینہ میں غیر مسلموں کو مذہبی آزادی دے کر شروع ہو گیا۔ قرآن و حدیث میں غیر مسلموں کے کو انسانیت کی بناء پر کافی ذکر موجود ہے اس کے بعد فقہاء اور مجتہدین ومفسرین نے الگ سے بھی اور ضمناً بھی غیر مسلموں کے حقوق ذکر کیے ہیں۔

سابقہ کام کا جائزہ:

ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ[2] نے اپنی کتاب "احکامُ اھلِ الذمہ" میں غیر مسلموں کے حقوق کے متعلق کافی بحث کی ہے۔ اور حال ہی میں "امن" موضوع پر پی۔ایچ۔ڈی سطح تک تحقیقی کام بھی ہو چکا ہے، ماضی قریب میں غیر مسلموں کے حقوق اور امن کے حوالے سے ڈاکٹر طاہر القادری کا "دہشت گردی اور فتنۂِ خوارج" کے نام سے ایک مشہور فتویٰ چھپا ہے مگر اس کے باوجود غیر مسلموں کے حقوق کے الگ الگ پہلو پر تحقیق تشنہ اور وقت کی اہم ضرورت ہے، موجودہ حالات میں بالعموم پورے عالم اور بالخصوص وطنِ عزیز پاکستان میں "عبادت گاہوں کا تحفظ اور عدمِ تحفظ" ایک اہم مسئلہ ہے۔

اسلام میں عبادت گاہ کا تصور:

اسلام جہاں دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو اور سارے حقوق دیتا ہے تو وہاں عبادت گاہوں کی ضمانت بھی دیتا ہے، کیونکہ یہ کیونکر ممکن ہے؟ کہ جسمانی ومادی حقوق تو دے اور مذہبی و روحانی حقوق سے محروم رکھے اور اگر یہ بات بھی مسلّم ہے کہ اسلام روزِ اول سے دیگر مذاہب کے پیروکاروں کو مذہبی آزادی دیتا ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے؟ کہ اسلام مذہبی آزادی کی ضمانت تو دے مگر جہاں اور جس جگہ اپنے مذہب کے مطابق عبادت کی جا سکے اس جگہ (عبادت گاہ) کے تحفظ کی ضمانت نہ دے۔ اس کی مثال تو ایسی ہے کہ کسی کو کھانا پکانے کی اجازت تو دی جائے مگر باورچی خانہ (Kitchen) بنانے پر پابندی ہو یا کسی معاشرہ میں کھیل کھیلنے کی کھلی آزادی اور اجازت ہو مگر کھیل کے میدان (Ground) پر پابندی ہو۔ اسی طرح عقلِ سلیم یہ بات تسلیم نہیں کرتی کہ عبادت کی کھلی آزادی ہو اور عبادت گاہ پر پابندی ہو یا تحفظ کی ضمانت نہ ہو، لہٰذا عبادت گاہوں کا تحفظ اور بنا مذہبی آزادی کا حصہ ہے نہ کہ مستثنیٰ۔

تحقیق کا مقصد:

اس تحقیق کا بنیادی مقصد عالمِ مغرب کا جان بوجھ کر اسلام کے متعلق تصورِ دہشت گردی اور شدت پسندی کی کوششوں کو غلط اور باطل ثابت کرنا اور عالمِ مغرب کے بعض مؤثر حلقوں کی اسلام کے خلاف منظم سازش اور عداوت کو بے نقاب کرنا ہے۔ عالم مغرب کے وہ باسی جو اصابتِ رائے نہ ہونے کی وجہ سے خطاً نفرتِ اسلام (Islamophobia) کا شکار ہیں، یا عصرِ حاضر کے مسلمان نوجوان جو اسلام کی حقیقی تعلیمات سے شناسا نہیں اور مغربی میڈیا سے متاثر ہو کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف شکوک و شبہات کا شکار ہیں، ان کے سامنے اسلام کی اصل تصویر یعنی اسلام کے مثبت پہلو، حقیقی پُرامن تعلیمات اور انسان دوست فلسفہ وطرزِ عمل کو اُجاگر کر کے ان کے دل ودماغ میں موجود شکوک و شبہات کا ازالہ کرنا ہے، اس تحقیق سے ایک عام قاری کو اسلام کی حقیقی پُرامن تصویر، اسلام میں اقلیتوں کے حقوق خصوصاً عبادت گاہوں کا

تحفظ کا پتہ چل جائے گا، خصوصاً ہمارے وہ مسلمان بھائی جو کسی وجہ سے عالم مغرب میں رہتے ہیں غیر مسلموں کے بے بنیاد سوالوں کے جوابات دینے کے قابل ہو کر اپنے سر فخر سے بلند رکھ کر اسلام کی اصل تصویر پیش کر سکیں۔

زیر نظر تحقیقی مقالہ میں چار بڑے مذاہب (عیسائیت، یہودیت، ہندو مت اور بدھ مت) کے علاوہ دو معروف و مشہور مذاہب (سکھ مت اور قادیانیت) کی عبادت گاہوں کی عبادت گاہوں کا مختصر تعارف اور تذکرہ کیا جائے گا۔یوں تو ہر مذہب کے پیروکاروں کی اپنی اپنی عبادت گاہ ہوتی ہے تو جہاں مذاہب متعدد ہیں وہاں عبادت گاہیں بھی متعدد ہیں لیکن یہاں ذیل میں صرف مقدمہ میں مذکورہ چھ مذاہب اور ان کی عبادت گاہوں کا مختصر اًذکر کیا جاتا ہے:

1 ہندوؤں کی عبادت گاہ کو مندر (Temple) کہتے ہیں۔

2 بدھ مت کی عبادت گاہ کو اسٹوپا (Stupa) کہتے ہیں۔

3 عیسائیوں کی عبادت گاہ کو گرجا (Church) کہتے ہیں۔

4 یہودیوں کی عبادت گاہ کو کنیسہ (Shull/Synagogue) کہتے ہیں۔

5 سکھوں کی عبادت گاہ کو گوردوارہ (Gordwara) کہتے ہیں۔

6 احمدیوں[3] کی عبادت گاہ کو مسجد (Masjid) کہتے ہیں، چونکہ احمدی / قادیانی اپنے آپ کو اپنے زُعم میں مسلمان سمجھتے ہیں بایں وجہ اپنی عبادت گاہ کو مسجد کہتے ہیں۔ حالانکہ یہ شرعاًاور قانوناًجرم ہے۔[4]

عبادت گاہ کے معنی "معبد" اور پرستش گاہ کے ہیں یعنی عبادت کرنے کے لیے مکان اور گھر وغیرہ۔[5]

عبادت گاہ یا عبادت خانہ اس مکان یا جگہ کو کہتے ہیں جو ایک انسان اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کے لیے بناتا ہے اور جہاں اپنے مذہب کے مطابق عبادت خصوصاًاجتماعی عبادت کا اہتمام ہو۔یعنی ایسا مکان یا جگہ جس میں ایک انسان کے لیے اپنے مذہب کے مطابق عبادت کرنے کے لیے ماحول (ضروریات و سہولیات) میسّر ہو، وہ انسان کی عبادت گاہ کہلاتی ہے۔

عبادت گاہوں کا تحفظ (تعمیل، تطلیق، تاریخ اور براہین و فرامین):

1 قرآن سے استدلال:

خالقِ کائنات کا ارشادِ گرامی ہے:

"وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا"۔[6]

"اور اگر خدا لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹاتا رہتا تو (راہبوں) کے صومعے اور (عیسائیوں کے) گرجے اور (یہودیوں کے) عبادت خانے اور (مسلمانوں کی) مسجدیں جن میں خدا کا بہت ساذکر کیا جاتا ہے ویران ہو چکی ہوتیں۔"

اس آیت کے تحت امام ابو بکر الجصاص[7] امام التابعین امام حسن بصری[8] کا قول نقل کرتے ہیں:

یدفع عن ھدم مصلیات اھل الذمۃ بالمؤمنین۔ "اللہ تعالیٰ مومنین کے ذریعے غیر مسلم شہریوں کے کلیساؤں کا انہدام روکتا ہے۔ (یعنی مسلمانوں کے ذریعے ان کی حفاظت فرماتا ہے)۔"[9]

اسی آیت کی تشریح میں امام جصاص مزید فرماتے ہیں:

"فی الایة دلیل علی ان هذه المواضع المذکورة لا یجوز ان تهدم علی من کان له ذمة او عهد من الکفار"۔[10]

ترجمہ: اور آیت میں اس بات پر دلیل ہے کہ مذکورہ جگہوں (یعنی عبادت گاہوں) کا گرانا جائز نہیں اگرچہ وہ غیر مسلم شہریوں کی ہی ہوں۔

علامہ ابنِ قیم لکھتے ہیں:

یدفع عن مواضع متعبداتهم بالمسلمین ------وهذا القول هو الراجح، وهو مذهب ابن عباس۔

"اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ذریعے ان کی عبادت گاہوں کا دفاع فرماتا ہے------یہی قول راجح ہے اور یہی عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا موقف بھی ہے۔"[11]

2 عہدِ نبوی ﷺ میں عبادت گاہوں کا تحفظ:

غیر مسلموں کے حقوق کا تحفظ جس انداز میں عہد رسالت مآب ﷺ میں کیا گیا اس کی نظیر پوری انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ حضور ﷺ نے اپنے مواثیق، معاہدات اور فرامین کے ذریعے اس تحفظ کو آئینی اور قانونی حیثیت عطا فرمادی تھی۔ ہجرتِ مدینہ کے بعد یہودِ مدینہ کے ساتھ "میثاقِ مدینہ" کے نام سے معاہدہ کیا گیا، جو کہ غیر مسلم رعایا کے ساتھ پیغمبرِ اسلام کا پہلا معاہدہ ہے یہ معاہدہ مذہبی رواداری اور فراخ دلی کی ایک ایسی مثال ہے جس پر دنیا فخر کر سکتی ہے۔ میثاقِ مذکورہ میں مذہبی دفعات بھی شامل تھیں:

i یہود کو مذہبی آزادی حاصل ہو گی اور ان کے مذہبی امور سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔

ii قبیلہ بنی عوف کے تمام یہود کو مسلمانوں کے ساتھ ایک فریق کی حیثیت سے مل کر رہنا ہو گا مسلمان اور یہودی دونوں اپنے اپنے مذہب کے پابند رہیں گے۔[12]

اسی طرح عہد نبوی ﷺ میں اہل نجران[13] سے ہونے والا معاہدہ بھی مذہبی تحفظ اور آزادی کے ساتھ ساتھ جملہ حقوق کی حفاظت کے تصور کی عملی وضاحت کرتا ہے۔ معاہدے کے مطابق ان کی عبادت گاہوں میں کسی قسم کا تغیر نہ کیا جائے اور ان کا احترام بہر حال قائم رکھا جائے گا۔[14]

ابنِ قیم صاحب فتح خیبر کے موقع پر حضور ﷺ کا معمول مبارک نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حضرت محمد ﷺ نے فتح خیبر کے بعد وہاں کے غیر مسلموں کو ان کی عبادت گاہوں پر برقرار رکھا اور ان کی عبادت گاہوں کو مسمار نہیں فرمایا۔ بعد ازاں جب دیگر علاقے سلطنت اسلامی میں شامل ہوئے تو خلفائے راشدین اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اتباعِ نبوی ﷺ کرتے ہوئے ان ملکوں میں موجود غیر مسلموں کی کسی عبادت گاہ کو مسمار نہیں کیا۔[15]

بعض حضرات دورِ نبوی ﷺ میں یہ مثال ڈھونڈنے اور پیش کرنے کا کہتے ہیں، یعنی حضرت محمد ﷺ نے صریح الفاظ میں نئی عبادت گاہیں بنانے کا غیر مسلموں کو اجازت دی ہو۔ اس مسئلے کو اگر ان زاویوں سے دیکھا جائے تو اس کا حل نکل آجاتا ہے مثلاً عبادت گاہ کے وجود اور افادیت کو تسلیم کرنا ہے اور یہ بات دورِ نبوی ﷺ میں پائی جاتی ہے باقی رہی بات نئی تعمیر (Construction/ Innovation) یا پُرانی عمارت میں تزئین و ترمیم اور مرمت (Reparation/ Renovation) بہر دوصورت اس کی بقاء اور وجود کی تسلیت کی دلیل ہے۔ دوسری بات دورِ نبوی ﷺ و خلفائے راشدین میں نئی عبادت گاہ بنانے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیونکہ لوگ تو مسلمان ہو رہے تھے نہ کہ عیسائیت و یہودیت کی طرف پھر (Conversion) رہے تھے۔ تو مساجد کی ضرورت بڑھتی جا رہی تھی نہ کہ کلیساؤں و کنیساؤں کی۔ ورنہ اگر ضرورت پیش آتی تو قرونِ اولیٰ میں ضرور دی جاتی۔

3 عہدِ خلافتِ راشدہ میں عبادت گاہوں کا تحفظ:

غیر مسلم شہریوں کے جان و مال کی حفاظت کا اہتمام صرف پیغمبرِ اسلام ﷺ کی زندگی تک محدود نہیں رہا بلکہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ ظاہری کے بعد خلفائے راشدین کے دور میں بھی سلسلہ جاری رہا۔ لہٰذا اس ضمن میں ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ معاہدۂ اہلِ نجران کی تجدید کرتے ہوئے اہلِ نجران کو ان کی جان، مذہب، املاک، متعلقین، پادری، راہب اور گرجوں کی حفاظت کی ضمانت دی۔[16]

فرمانِ خلیفۂ اوّل کے مطابق خالد بن ولید رضی اللہ عنہ[17] نے "اہل عانات"[18] اور "اہلِ حیرہ"[19] سے ان کے گرجے اور خانقاہیں نہ منہدم کرنے کا معاہدہ کیا۔[20]

عہدِ فاروقی میں غیر مسلموں کے ساتھ جتنے بھی معاہدات ہوئے خصوصاً ان میں حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ[21] کا باشندگانِ شام سے اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا باشندگانِ ایلیا (بیت المقدس)[22] سے قابلِ ذکر ہیں، ان تمام معاہدات میں عبادت گاہیں نہ گرانے اور تحفظ کی ضمانت کا ذکر ہے۔[23]

الغرض عہدِ خلافتِ راشدہ میں عبادت گاہوں کا تحفظ اسلامی تاریخ میں سنہری حروف سے لکھے جانے کا قابل ہے۔

4 عہدِ بنو امیہ میں عبادت گاہوں کا تحفظ:

جس طرح عہدِ نبوی ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوارِ حکومت میں ذمیوں کے حقوق کی حفاظت کے لیے بڑا اہتمام کیا جاتا تھا اسی طرح بنو اُمیہ دور میں بھی اس کا خاص خیال ولحاظ رکھا گیا۔ اسلامی حکومت کے تحت غیر مسلموں کو مکمل آزادی حاصل تھی ان کی عبادت گاہوں سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ بنو اُمیہ خلفاء کو اپنے سابقین کی نسبت سپین (اندلس) میں عیسائیوں سے زیادہ واسطہ پڑنے کے علاوہ سندھ میں ہندوؤں کے ساتھ بھی کافی واسطہ پڑا۔ بنو امیہ خلفاء اور سپہ سالاروں نے غیر مسلموں کے ساتھ جتنے اور جہاں جہاں بھی معاہدات کیے سب میں غیر مسلموں کو مذہبی آزادی اور خصوصاً عبادت گاہوں کے تحفظ کے تذکرے ملتے ہیں۔[24]

اگر کہیں اور کبھی کسی اموی خلیفہ سے عبادت گاہوں کے تحفظ کے حوالے سے کوئی غلطی کوتاہی ہوئی بھی ہو تو اموی خلیفۂ صالح عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ[25] نے اس حق تلفی کی تلافی اور ازالہ کر لیا۔ گرجے بھی واپس دلائے ہیں اور ساتھ میں اپنے ماتحت افسران کو حکم اور تاکید کیا کرتے تھے کہ:

ان لا تھدموا کنیسۃ ولا بیعۃ ولا بیت نارٍ[26]۔ کسی چرچ، گرجا اور آتش کدہ کو مسمار نہ کرو۔

5۔ عہدِ بنو عباس میں عبادت گاہوں کا تحفظ:

اسلام کی پندرہ سو سالہ تاریخ میں خلافتِ عباسیہ کو بہت اہمیت عظمت و شان حاصل ہے۔ عہدِ بنو عباس میں اور شاندار کارناموں کی طرح عبادت گاہوں کا تحفظ اور خیال بھی ایک اہم کارنامہ ہے۔ اس کا جیتا جاگتا ثبوت مامون الرشید (197ھ تا 218ھ)[27] کے عہد میں آتش کدوں اور دوسری عبادت گاہوں کے علاوہ گیارہ ہزار گرجے موجود تھے۔ خلیفہ معتصم باللہ (218ھ تا 227ھ) کے عہد حکومت میں ایک مسلمان جرنیل کو اس لیے معتوب کیا گیا کہ اس نے پارسیوں کا ایک آتش کدہ گروا کر اس کی جگہ مسجد تعمیر کرا دی تھی۔[28]

بالکل اسی طرح مولوی نور احمد صاحب[29] رقمطراز ہیں کہ:

"معتصم باللہ[30] کے عہد سے ایک خاص مثال لی جاسکتی ہے، ایک موقع پر ایک امام اور مؤذن نے مل کر آتشکدہ منہدم کر دیا اور اس کی جگہ مسجد تعمیر کرلی، شکایت کی گئی تو خلیفہ نے اس کے جواب میں آتشکدہ ڈھانے پر امام اور ن مؤذن کو کوڑے لگانے کا حکم دیا۔[31]

6 عہدِ خلافتِ عثمانیہ میں عبادت گاہوں کا تحفظ:

سلطنتِ عثمانیہ عالمِ اسلام کی سب سے عظیم اور طویل ترین سلطنت تھی ساڑھے چھ سو سال تک دنیا میں اپنی حکومت کا ڈنکا بجایا۔ اس سلطنت کی حکومت تین برّ اعظموں: یورپ، ایشیاء اور افریقہ پر محیط تھی۔ مفتی اعظم شیخ جمالی کے فتوؤں کی روشنی میں نہ صرف آلِ عثمان کے مشہور فرماں روا سلطان سلیم[32] نے بلکہ سلطان محمد (ثانی) فاتح[33] اور سلطان محمود ثانی[34] میں سے ہر ایک نے غیر مسلموں کے ساتھ مذہبی رواداری کی مثالیں قائم کی ہیں، غیر مسلموں کو مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ جان و مال اور عبادت گاہوں کی حفاظت کی ضمانت بھی دی۔ اور عبادت گاہوں کو نقصان پہنچانے پر کئی سپاہیوں کو سزائیں بھی دی گئی ہیں۔[35]

7 برِ صغیر میں عبادت گاہوں کا تحفظ:

یُوں تو برِ صغیر میں دعوتِ اسلام کا آغاز تو عہدِ رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین میں ہو گیا تھا مگر عہدِ اموی میں مشہور فاتح محمد بن قاسم[36] کی سندھ میں فتوحات نے اس دعوت کے ابلاغ و استحکام میں نمایاں کردار ادا کیا۔ محمد بن قاسم کے بعد بعض عرب حکومتیں وجود میں آئیں۔ بعد ازاں غزنوی خاندان نے مختلف اوقات میں سرزمینِ ہند میں اسلام کا پرچم بلند کیا تاہم ہندوستان میں باقاعدہ مسلم حکومت کا بانی شہاب الدین غوری سمجھا جاتا ہے اس کے بعد سلاطینِ دہلی نے اس ریاست کو استحکام بخشا، اس کے بعد تغلق سلاطین کے عہد میں اسلامی شعائر کی ترویج و اشاعت ہوئی۔ برصغیر میں مسلم حکومت کے آخری خاندان کا نام خاندان مغلیہ ہے جس کے بانی ظہیر الدین بابر نے اس کی بنیاد رکھی، عہد مغلیہ میں مسلمانوں کی ایک وسیع حکومت تھی۔ تاہم تمام مسلم شاہانِ ہند کے عہد میں ہندوستان کی غیر مسلم رعایا کا مذہب، ان کی جانیں، ان کی دولت و جائیدادا اور ان کی عزت و آبرو الغرض ہر چیز محفوظ تھی۔ برصغیر میں مسلمانوں کی مذہبی رواداری اتنی مسلّم ہے اپنے تو اپنے غیر مسلم مؤرخین نے بھی تسلیم کیا ہے کہ مسلم حکمرانوں نے ہندوستان میں رواداری کی شاندار و بے نظیر مثالیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے اپنے مذہب میں کٹر ہونے کے باوجود مذہبی رواداری کی ایسی مثالیں پیش کیں، جو عیسائیت اور دنیا کی کسی تاریخ میں نہیں ملتیں، وہ مقدر تھے اگر چاہتے تو دوسرے مذاہب والوں کی تاثیر مٹا دیتے لیکن ان کا کٹرپن بھی اتنا فیاضانہ تھا کہ انہوں نے عبادت گاہوں کی حفاظت کی۔ مسلمان اپنے عقائد میں سخت ہونے کے ساتھ ساتھ

بہترین سیاست داں اور مدبّر بھی تھے۔[37] ہندوؤں کو مندر تعمیر کرنے، مسلمانوں سے ملنے جلنے اور بے خوف و خطر رہنے اور ہر طریقے سے اپنی بہتری کے لیے کوشاں ہونے کی اجازت تھی، عربوں نے سندھ میں ہندوؤں سے جس رواداری کا سلوک کیا اس سے بہتر مثال نہیں مل سکتی۔[38]

یقیناً اگر مسلمان تنگ نظری اور فرقہ پرستی سے کام لیتے تو وہ اتنی طویل مدت تک ہندوستان پر حکومت نہیں کر سکتے تھے، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ مسلم (اقلیت) ہندو (اکثریت) پر ظلم و زیادتی کرے اور اکثریت اُسے صدیوں تک بر داشت کرتی ہے۔

8 عصرِ حاضر میں عبادت گاہوں کا تحفظ:

موجودہ زمانے میں بھی مسلمان مذہبی رواداری کے معاملے میں بخل سے کام نہیں لیتے، اپنے زریں ماضی اور گزشتہ ادوارِ اقتدار کی طرح آج بھی غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور کی قدر و احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ وطنِ عزیز پاکستان میں اس کا واضح ثبوت ملتا ہے جہاں ان سکھوں کے گوردوارے اور استھان بحفاظت موجود ہیں جو تقسیم کے بعد بھارت چلے گئے تھے۔ اور اپنے علاقوں میں نہتے مسلمان مردوں اور عورتوں کا قتلِ عام کیا ایسے ہولناک واقعات کہ ان کے ذکر سے دل تھراتا ہے۔ انہیں ہر سال یاترا کے لیے پاکستان آنے اور کامل آزادی سے اپنے تہوار منانے کی اجازت ہے۔ 1965ء میں جب بھارتی فوج نے رات کے اندھیرے میں وطنِ عزیز پاکستان پر حملہ کیا عوامی و سرکاری املاک وعمارتوں کو نقصان پہنچانے کے ساتھ ساتھ مساجد (مسلمانوں کی عبادت گاہیں) کو بھی نشانہ بنایا۔ جبکہ ناگزیر جوابی فضائی حملوں میں پاک فضائیہ کے ہوابازوں کو سختی سے ہدایت کی گئی کہ کسی بھی عبادت گاہ کو نشانہ نہ بنایا جائے۔ پیادہ فوج نے بھی راجھستان اور پنجاب (کھیم کرن) کے علاقے فتح کرتے وقت کسی بھی مندر یا گوردوارے کو بھول کر بھی کسی قسم کا گزند نہیں پہنچایا گیا۔ لیکن باوجود اس کے موجودہ زمانے میں غیر مسلم اپنے آپ کو حقوق کے محافظ اور علمبر دار سمجھتے ہیں اور مسلمانوں کو عبادت گاہوں کا اڑانے والے اور غیر مسلموں کے حقوق کی پامالی کرنے والے۔ لیکن ایک سلیم الفطرت و عقل انسان جب پچھلی چودہ صدیوں کی تاریخ خصوصاً اکیسویں صدی عیسوی کی ورق گردانی کرلیتا ہے تو اس نتیجہ پر پہنچ جاتا ہے کہ عبادت گاہوں کا تحفظ کرنے اور کرانے والے کون ہیں؟ اور عبادت گاہوں کو اُڑانے اور مسمار کرنے کرانے والے کون ہیں؟ حقیقی مسلمان ہونا اور مسلمان دِکھنے اور دکھانے میں کتنا فرق ہے؟ مسلمان ہونا الگ چیز ہے اور مسلمان کے جامہ (رُوپ) میں ہونا الگ چیز ہے ضروری نہیں کہ جو بندہ مسلمان کے روپ میں ہو وہ مسلمان بھی ہو جیسا کہ اس کے بر عکس، یعنی جس کی داڑھی مونچھیں نہ ہوں اور پینٹ شرٹ میں ہو تو ضرور غیر مسلم ہو گا۔

ماضی قریب میں مسلمانوں کی عبادت گاہوں میں کئی مرتبہ خون کی ہولی کھیلی گئی نومبر 2017ء (قاہرہ مصر)، جولائی 2007ء (کوہاٹ)، نومبر 2010ء (درہ آدم خیل)، ستمبر 2016ء (مہمند ایجنسی) اور مارچ 2015ء میں نیوزی لینڈ کی مسجد میں ایک ہولناک اور مسلمانوں کے صفحۂ دل سے نہ مٹنے والا واقعہ جو کہ غیر مسلم حقوق کے علمبرداروں کے لیے ساری عمر طعنہ اور باعث شرمندگی ہے۔ تو ایک منصف مزاج انسان عبادت گاہوں کے عدمِ تحفظ کو کیسے مسلمانوں کے ساتھ منسوب کر سکتا ہے۔؟

نتائج بحث:

یہ بات مسلّم ہے کہ دنیا میں تمام مذاہب کے ماننے والوں کے دلوں میں ان کی عبادت گاہوں کی جو قدر و منزلت ہوتی ہے وہ اور کسی جگہ کی نہیں ہوتی، انسان اپنی عبادت گاہ سے روحانی رشتہ کی وجہ سے دنیا کی باقی مقامات اور مکانات حتیٰ کی اپنے گھر سے بھی زیادہ محبت اور کرتا ہے اس بنیاد پر ہر دور میں خالقِ کائنات نے عبادت گاہوں کے تحفظ کا بندوبست فرمایا۔ عہدِ رسالتِ مآب ﷺ ہو یا دورِ صحابہ یا ان کے بعد کے ادوار۔ اسلامی تاریخ غیر مسلم شہریوں سے مثالی حُسنِ سلوک سے ہزاروں واقعات سے بھری پڑی ہے۔ دیگر مذاہب اور اقوام سے تعلق رکھنے والے افراد اسلامی ریاست میں پُر سکون زندگی گزارتے تھے انہیں اپنے مذہب پر قائم رہنے اور عمل کرنے کی مکمل آزادی تھی، ان کی عبادت گاہیں مکمل محفوظ تھیں۔

مسلمان حکمرانوں نے اپنی غیر مسلم رعایا (مفتوح اور غیر مفتوح) کا ہمیشہ خیال رکھا ان کو تمام آزادیاں دینے میں خصوصاً مذہبی آزادی دینے میں کوئی کسر نہ چھوڑی۔ اور جب مذہبی آزادی دی گئی جیسا کہ دنیا تسلیم کرتی ہے تو مذہبی آزادی میں مذہب سے متعلقہ تمام لوازمات کا اہتمام و تحفظ آ ہی جاتا ہے مذہبی آزادی میں عبادت گاہ کو مرکزی اور بنیادی حیثیت حاصل ہے اگر عبادت گاہ کی آزادی و تحفظ نہ ہو تو آزادی کا تصور محال ہے اور آزادی برائے نام ہے بایں وجہ مسلمانوں نے خصوصاً خلفائے راشدین پھر ان کے بعد تابعین، تبع تابعین اور تا حال مسلم حکمرانوں (اسلامی حکومتوں) نے اپنے اکابر و اسلاف کے مثالی کارناموں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے ان کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو تحفظ فراہم کیا۔ اور یہی بنیادی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے مختلف ادوار میں مختلف سلسلوں کی صورت میں کئی صدیاں حکومت کی ہے مسلمانوں کو جو اتنا برداشت کیا گیا مذہبی آزادی یا حقوق مانگنے کے لیے غیر مسلموں کا کوئی احتجاج یا بغاوت تاریخ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

تاریخ گواہ ہے کہ مسلمانوں کے حُسنِ سلوک اور مذہبی رواداری کے دورس نتائج سامنے آگئے وہ ایسے کہ ذمی(غیر مسلم)مسلمانوں کے دست وبازواور حامی بن گئے۔عبد السلام ندوی صاحب بحوالہ کتاب الخراج لکھتے ہیں کہ:

فلما رای اهل الذمة وفاء المسلمین لهم و حسن السیرة فیهم صاروا اشد علی عدو المسلمین وعوناً للمسلمین علیٰ اعدائهم۔"جب ذمیوں نے مسلمانوں کی وفاداری اور ان کے نیک سلوک کو دیکھا تو مسلمانوں کے دشمنوں کے سب سے بڑے دشمن اور ان کے مقابل میں مسلمانوں کے حامی و مددگار بن گئے۔"جیسا کہ جب رومی جو کہ عیسائی تھے مسلمانوں کے خلاف بڑی جنگ کا فیصلہ کیا تو ذمیوں نے خود عیسائی ہونے کے باوجود ان کے خلاف مسلمانوں کی مدد کی۔[39]

تجاویز وسفارشات:

1 دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کا تحفظ اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے، لہٰذا اس کے لیے خاص اہتمام کیا جائے۔

2 اسلامی نظریاتی کونسل، محکمہ اوقاف و مذہبی امور اور شرعی عدالتوں کی کارگردگی کو اولین ترجیحات کی بنیاد پر فعال کیا جائے، تمام مسائل کو قرآن و حدیث کے مطابق ڈھالنے کے لیے ماہانہ اہداف رکھ کر حل کر کے کم از کم ماہانہ بنیادوں پر "ماہنامہ"کی صورت میں ورنہ زیادہ سے زیادہ سالانہ بنیادوں پر ایک gazetteer شائع کیا جائے۔اور یہ gazetteer انتظامیہ اور قوانین پر عمل کروانے والوں کے ہر آفس میں ہونا چاہیے۔اگر ان اداروں میں جان ڈالنا مشکل ہے یا ناممکن ہے تو اس کام کے لیے الگ سے جیّد علماء کا بورڈ/کونسل بنایا جائے اس طرح سینکڑوں علماء کو روزگار بھی مل جائے گا۔

3 حکومت کی عدم دلچسپی کی صورت میں علماء اپنی مدد آپ کے تحت اس نوعیت کا بورڈ بنالیں یا جتنے بھی پہلے سے تعلیمی بورڈز(تنظیمات المدارس)موجود ہیں ان کا دائرہ کار وسیع کیا جائے،gazetteer شائع کرنے کے بعد کاپیاں وزراتِ داخلہ(Ministry Of Interior) کو بھیج دی جائیں،کاپی پر ڈی۔سی آفس اور ہر تھانے میں ہو۔

4 میڈیا پر بھی جیّد علماء کرام (جو غیر جانبدار،خوددار،غیر سیاسی اور محبِ وطن ہوں۔)کو مدعو کیا جائے،تاکہ خالص قرآن وحدیث کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کو عوام کے سامنے پیش کیا جائے۔

5 قانون نافذ کرنے والے اداروں خصوصاًپولیس آفیسرز کو عبادت گاہوں کے تحفظ کے حوالے سے ٹریننگ دی جائے اور سیمینارز کا انعقاد کیا جائے۔تاکہ عبادت گاہوں کے تحفظ کے حوالے سے ان کو اسلامی تعلیمات اور سزاؤں کا پتہ ہو۔اور غفلت و کوتاہی کی صورت میں ان کی سزا کا بھی تعیّن کیا جائے۔

6 صدر و وزیرِ اعظم کو بحیثیت سربراہ غیر مسلموں کے حقوق خصوصاً عبادت گاہوں کے تحفظ کے حوالے سے علم ہونا چاہیے۔ کیونکہ ماضی (اسلامی تاریخ) میں عبادت گاہوں کا تحفظ جتنا بھی کیا گیا ہے وہ حکامِ وقت (خلفاء / بادشاہ) کے احکامات پر ہوا۔ ہمارے موجودہ حکمران یا تو بالکل غیر مسلموں کے حقوق کے معاملہ میں لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہیں یا پھر اتنا آگے چلے جاتے ہیں کہ غیر مسلموں کو اپنا بھائی سمجھ اور کہہ کر اسلامی حدود (دائرہ) کو بھی پار کر لیتے ہیں۔

7 خطباء کو کم از کم سال میں ایک دو مرتبہ غیر مسلموں کے حقوق خصوصاً عبادت گاہوں کے تحفظ اور مذہبی رواداری پر درس دینا چاہیے۔

8 کالم نگاروں کو وقتاً فوقتاً عبادت گاہوں کے تحفظ کے حوالے سے اخبارات میں لکھنا چاہیے۔

9 طلبہ کے نصاب میں (خصوصاً اعلیٰ ثانوی سطح سے) غیر مسلموں کے حقوق خصوصاً عبادت گاہوں کے تحفظ کے حوالے سے ضرور ایک موضوع (Topic) ہونا چاہیے۔

10 عالمی سطح پر بھی جو عالمِ اسلام کی تنظیمیں ہیں ان کے اجلاسوں میں بھی اپنی عبادت گاہوں کے تحفظ کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کی عبادت گاہوں کے تحفظ کا بھی تذکرہ کیا جائے۔ اس کے ساتھ دنیا کا نظام متوازن رہے گا۔

11 خصوصی طور پر علماء و دانشوروں کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے جس کا کام دیگر مذاہب کے پیروکاروں کی اپنی عبادت گاہوں کے تحفظ کے حوالہ سے غلط فہمیاں، تحفظات اور خدشات کو دور کرنا ہو۔ بین المذاہب اور بین المسالک سیمینارز کا اہتمام وقتاً فوقتاً کیا جائے۔

حواشی و تعلیقات

[1] سورۃ التغابن:2

[2] ابن قیم: آپ کا نام محمد بن ابی بکر بن ایوب بن سعد الزّرعی الدمشقی، ابو عبد اللہ، شمس الدین۔ جائے ولادت و وفات دمشق ہے۔ 69ھ بمطابق 1292ء کو پیدا ہوئے جبکہ سن وفات 751ھ بمطابق 1050ء ہے۔ کبار علماء میں سے ہیں۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے وفادار شاگرد رہے (حسن المحاضرۃ فی تاریخ مصر والقاهرۃ، جلال الدین عبد الرحمان بن ابو بکر السیوطی، ج1، ص388، دار احیاء الکتب العربیۃ، عیسی البابی الحلبی، 1387ھ، 1967ء)۔

[3] یہ لوگ ایک آدمی سے منسوب ہیں جسے غلام احمد بن غلام مرتضیٰ بن عطا محمد قادیانی کہا جاتا ہے۔ یہ غلام احمد چونکہ ہندوستانی پنجاب کی ایک بستی "قادیان" میں 1940ء / 1939ء کو پیدا ہوا، اس وجہ سے اس کے پیروکاروں کو "قادیانی" یا "احمدی" کہتے ہیں۔ غلام احمد قادیانی 1891ء میں مسیح موعود اور 1910ء میں نبوت کے دعویٰ اور اس کے پیروکار اس کو

تسلمیت کی بنیاد پر دائرۂ اسلام سے خارج ہیں۔7 ستمبر 1974ء کو وطنِ عزیز پاکستان کے آئین کی دفعہ 260 میں نئی شق کے اندراج کے ساتھ قادیانی، احمدی اور مرزائی مسلمانوں کو قطعی اور یقینی کافر (غیر مسلم) قرار دیا گیا ہے۔

(1۔شیبہ، الحمد، ڈاکٹر عبد القادر، اقوام عالم کے ادیان و مذاہب (مسلم پبلی کیشنز گوجرانوالہ) 2007، ص:112۔

11۔اللہ وسایا، مولانا، پارلیمنٹ میں قادیانی شکست، ص:334)۔

Received From: Pakistan Penal Code[(XLV Of 1860) 6th Chapter:Xv,298-C.[4]

[5] احمد دہلوی، سید فرہنگ آصفیہ (مکتبہ حسن سہیل لمیٹڈ لاہور) دوسرا، 1974ء، ج:4، 3، ص:262۔

[6] سورۃ الحج:40

[7] جصاص: احمد بن علی، ابو بکر جصاص بغداد کے رہنے والے تھے۔ احکام القرآن آپ کی شہرہ آفاق تفسیر ہے۔ فقہ حنفی کے چوٹی کے فقہیہ ہیں جبکہ اصول فقہ پر بھی آپ کی کتاب موجود ہے۔ آپ عہد شباب میں بغداد میں تشریف لائے۔ امام ابو الحسن الکرخی سے علم فقہ پڑھا یہاں تک خود فقیہ العصر ہو گئے۔ صاحب تاریخ بغداد لکھتے ہیں کہ امام ابو بکر جصاص الرازی کی سن ولادت 305ھ اور بغداد آمد کے وقت آپ کی عمر 25 سال تھی۔ امام ابو بکر الرازی اتوار کے دن 7 ذی الحجہ 370ھ کو 65 سال کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ ابو بکر محمد بن موسیٰ الخوارزمی نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی (خطیب بغدادی، احمد بن علی، تاریخ مرینۃ السّلام وَ اَخبار محدثیھا وذکر قُطّانہا العلماء من غَیند اھلھَاوَوَارِدِیھا، بیروت سن اشاعت 2001، دار الغرب)

[8] آپ حسن بن یسار بصری، تابعی ہیں۔ مدینہ میں پیدا ہوئے، کنیت ابو سعید تھی۔ آپ کے والد یسار کے قیدیوں میں آئے تھے اور انصار میں کسی کے غلام تھے۔ ان کی والدہ ام سلمہ کی باندی تھیں۔ حسنؒ نے صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ آپ بڑے خوبصورت، بہادر، عبادت گذار، فصیح اللسان اور جید عالم تھے۔ عمر بن عبد العزیزؒ کے دور میں بصرہ کے قاضی بھی مقرر ہوئے۔ آپ 110ھ کو فوت ہوئے اور 88 سال کی عمر میں پائی (تہذیب التہذیب، ج2، ص262)

[9] جصاص، ابو بکر احمد بن علی رازی، احکام القرآن (بیروت، لبنان: داراحیاالتراث) 1405ھ، ج:5، ص:83۔

[10] ایضاً

[11] ابن قیم، ابو عبد اللہ محمد بن ابو بکر ایوب الزرعی، احکام اھل الذمۃ (دارابنِ حزم بیروت لبنان) 1997ء، ج: 3، ص: 1169۔

[12] ندوی، حافظ مجیب اللہ ، اہلِ کتاب صحابہ و تابعین، ص: 81 / القادری، ڈاکٹر محمد طاہر، اسلام میں انسانی حقوق (منہاج القرآن پبلی کیشنز لاہور) 2017، ص: 667۔

[13] نجران سعودی عرب کے صوبہ نجران کا ایک شہر ہے جو یمن کی سرحد کے قریب ہے۔

[14] ابنِ سعد، ابو عبد اللہ محمد، الطبقات الکبریٰ (دار بیروت للطباعہ والنشر بیروت لبنان) 1978ء، 358،1:288۔

[15] ابنِ قیم، احکام اھل الذمۃ، ج:3، ص:1199۔

[16] طبری، ابو جعفر محمد جریر، تاریخ طبری (مؤسسۃ العلمی للمطبوعات بیروت) 1998ء، ج:2، ص:139

[17] ابو سلیمان خالد بن ولید بن المغیرہ القریشی المخزومی (592ء تا 642ء) آپ ام المؤمنین حضرت میمونہؓ کے بھانجے تھے۔ آپ شہ سواری، نیزہ بازی، تیر اندازی اور شمشیر زنی، جنگی حکمت عملی اور سیاسی چالوں کے ماہر تھے بایں وجہ ایک بہترین جنگجو اور خصوصاً دورِ صدیقی و فاروقی میں بہترین سپہ سالار تھے۔ 100 سے زیادہ جنگوں میں شریک ہوئے۔ حضور ﷺ نے آپ کو "سیف اللہ" (اللہ کی تلوار) کا لقب عطا کیا۔ 21ھ میں وفات پائی۔ (ابنِ حجر عسقلانی، حافظ علامہ احمد بن علی، الاصابۃ فی تمییز الصحابہ، مترجم، مولانا محمد عامر شہزاد علوی (مکتبہ رحمانیہ لاہور) 2012ء ،ج،2، ص:67، الرقم:2203۔)

[18] ایک علاقے کا نام ہے دمشق (شام) سے عراق اور ایران کی طرف جاتے ہوئے راستے میں آتا ہے۔

[19] حیرہ موجودہ شہر کوفہ (عراق) سے جنوب کی طرف تین کلومیٹر کے فاصلے پر دریائے فرات کے مغربی کنارے پر واقع ہے موجودہ دور میں الحیرہ صرف کھنڈر کی صورت میں موجود ہے۔

[20] ڈاکٹر حمید اللہ، محمد، الوثائق السیاسۃ، 323، وثیقہ :274۔ نور احمد، مولوی، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، مترجم، رحمان مُذنب (رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ لاہور) 2002، ص:172۔ حفیظ اللہ، محمد، اسلام اور غیر اسلام (مسلم اکیڈمی پھلواری شریف پٹنہ انڈیا)، ص:73۔ ابو یوسف، امام، کتاب الخراج، ص:472۔

[21] نام: عامر بن عبد اللہ، کنیت: ابو عبیدہ، جرّاح دادا کا نام۔ سابقون الاولون اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں۔ حضور ﷺ نے آپ کو "امین الامت" کا لقب عطا فرمایا۔ انتقال طاعون کی وجہ سے 18ھ میں 58 سال کی عمر میں شام کے شہر اُردن میں ہو گیا۔ (الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ، ج:07، ص:239، الرقم:10224۔)

[22] ایلیاء دراصل "بیت المقدس" کا نام ہے۔ اس کو ایلیاء اس کے بانی کے نام سے کہا جاتا ہے، اور ایلیا بن ارم بن سام بن نوح علیہ السلام نے اس شہر کو بنایا تھا (حقوق الانسان فی الحرب والسلام للطیار، ص:66)

[23] ڈاکٹر حمید اللہ، محمد، سیاسی وثیقہ جات، ص:34،35۔ تاریخ الامم والملوک، ج:2، ص:449۔ مسلمانوں کے تہذیبی

کارنامے،ص:163۔

24 فلپ۔کے ہٹی، تاریخ شام (شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور)، ص:353۔ آرنلڈ، ٹی، ڈبلیو، دعوتِ اسلام، مترجم شیخ عنایت اللہ (محکمہ اوقاف پنجاب لاہور)2004ء، ص:86۔ نجیب آبادی، محمد اکبر شاہ، تاریخ اسلام (الفیصل ناشران و تاجران کتب لاہور)ج:3، ص:36. محموداحمد ، سید ، تاریخ سپین، مترجم، سید محمد احمد (مشتاق بک کارنر لاہور)2010ء، ص:457،458. اسلام اور غیر مسلم، ص:174، 175۔

25 ابو حفص عمر بن عبد العزیز بن مروان بن حکم 61ھ / 681ء کو پیدا ہوئے۔ بنو اُمیہ کے آٹھویں خلیفہ تھے۔ نیک سیرتی اور عدل و انصاف کے باعث "پانچواں خلیفۂ راشد"، "خلیفۂ صالح" اور "عمرِ ثانی" جیسے القابات سے ملقب ہوئے۔ سرکاری سطح پر تدوینِ حدیث کا کارنامہ سرانجام دیا۔ 29ماہ (99ھ / 717ء تا 101ھ / 720ء) خلافت کرنے کے بعد تقریباً 39 سال کی عمر میں انتقال کر گئے۔ (ویکیپیڈیا) (ندوی، مولانا عبد السلام ، سیرتِ عمر بن عبد العزیز (دارالاشاعت کراچی)، ص:16، 67۔)

26 احکام اھل الذمۃ، ج:3، ص:1200۔

27 مامون الرشید مشہور عباسی خلیفہ ھارون الرشید کے بیٹے تھے۔ عبد اللہ اصل نام اور مامون لقب تھا۔ 170ھ میں پیدا ہوئے۔ 197ھ / 813ء تا 218ھ / 833ء عباسی خلیفہ رہے۔ 48سال کی عمر میں 218ھ میں انتقال کر گئے۔ (شبلی نعمانی، علامہ، المامون (کانگریس پریس دہلی)1889ء، ص:1، 144۔)

28 اسلام اور غیر مسلم، ص:، 95،93۔

29 مولوی نور احمد 25 دسمبر 1890ء کو چٹاگانگ میں پیدا ہوئے۔ کلکتہ یونیورسٹی سے ایم اے اور بی ایل کی ڈگریاں لیں۔ اس کے بعد چٹاگانگ بار میں شامل ہو گئے۔ 33سال تک چٹاگانگ میونسپلٹی کے چیئرمین رہے۔ برصغیر میں سب سے پہلے آپ نے چٹاگانگ میں مفت اور لازمی پرائمری تعلیم رائج کی۔ دس سال تک بنگال لیجسلیٹو کونسل کے ممبر رہے اور تقسیم کے بعد پاکستان کی پہلی آئین ساز اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔ آپ متعدد کتابوں کے مصنف ہیں۔ متعلقہ اصل کتاب انگریزی میں Glories Of Islam کے نام سے ہے۔ (نور احمد، مولوی، مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے، مترجم، رحمان مُذنب (رحمان مذنب ادبی ٹرسٹ لاہور)2002، ص:2۔)

30 معتصم باللہ عباسی خلیفہ تھا۔ پورا نام ابو اسحاق محمد بن ھارون الرشید تھا، معتصم باللہ لقب تھا۔ پیدائش 796ء۔ مامون الرشید کا جانشین تھا۔ اس کے عہدِ خلافت میں مسئلۂ خلقِ قرآن کے فتنے کا عروج رہا۔ خلافت 833ء تا 842ء ہے۔ 227ھ کو 45

سال کی عمر میں وفات پائی۔(احمد ندوی،شاہ معین الدین،تاریخِ اسلام(معارف پریس اعظم گڑھ) 1949ء ح:سوم(خلافتِ عباسیہ)،ج:1،ص:206، 161۔/(محمد نعیم صدیقی،پروفیسر (مکتبہ دانیال لاہور)،ص:675۔)۔

[31] مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے،ص:163۔

[32]سلطان سلیم سلاطینِ سلطنت عثمانیہ میں سے تھے،دورِ عروج میں سے گزرے ہیں۔والد کا نام بایزید دوم۔ پیدایش: 1470ء،وفات:1520ء۔دورِ حکومت:1512ء تا1520ء۔خلیفۃ الاسلام،امیر المؤمنین اور خادم الحرمین الشریفین جیسے القابات سے ملقب ہیں۔(محمد عزیر،ڈاکٹر، تاریخِ دولتِ عثمانیہ(دارالمصنفین / شبلی اکیڈمی یوپی الھند)2009ء، ج:2،ص:139۔)

[33]سلطان محمد فاتح سلاطینِ سلطنت عثمانیہ میں سے تھے۔والد کا نام سلطان مراد دوم۔پیدایش:1432ء ،وفات: 1480ء۔پہلادورِ حکومت:1444ء تا1446ء۔دوسرادورِ حکومت:1451ء تا1481ء۔(تاریخِ دولتِ عثمانیہ،ج:1، ص:94۔)

[34]سلطان محمود ثانی سلاطینِ سلطنت عثمانیہ میں سے تھے۔والد کا نام سلطان عبد الحمید اوّل۔پیدائش:1784ء ،وفات : 1839ء۔دورِ حکومت:1808ء تا1839ء۔(تاریخِ دولتِ عثمانیہ،ج،2،ص:1۔)

[35] اسلام اور غیر مسلم،ص:110——114۔

[36]محمد بن قاسم کا اصل نام عماد الدین الثقفی ہے۔پیدائش 695ء/694ء ہے۔اموی سلطنت کے مشرقی علاقوں(عراق) کے والی(گورنر)حجاج بن یوسف کے بھتیجے اور داماد تھے۔بنو امیہ کے مشہور سپہ سالار تھے۔ولید بن عبد الملک(86ھ تا 96ھ) کے دور میں سندھ کو فتح کرکے "فاتح سندھ" کہلائے۔715ء کو20 سال کی عمر میں وفات پائی۔(حسن،محمد عبد الغنی،فاتح سندھ،مترجم،مولانا عبد اللہ دانش(دارالسلام لاہور)2004،ص:1/208۔)

[37] اسلام اور غیر مسلم،ص:250۔

[38] مسلمانوں کے تہذیبی کارنامے،ص:164۔

[39] ندوی،مولانا عبد السلام،اسوۂ صحابہ(نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد پاکستان)،ج:2،ص:110۔